© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

برہان کی گذشتہ اشاعت میں ہم نے غیر مسلم حضرات سے اسلام کی چند تعلیمات سے متعلق خطاب کیا تھا آج کی صحبت میں خود مسلمانوں سے کچھ عرض کرنا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ملک میں فسادات اور اُن کے بعد بعض لیڈروں کے بیانات یا حکومت کے کارندوں کے رویہ سے جو صورت حال پیدا ہوتی ہے وہ بڑی صبر آزما اور حوصلہ شکن ہے۔ لیکن ضرورت اس کی ہے کہ وسعتِ نظر اور کھلے دل و دماغ کے ساتھ حقائق کا جائزہ لیا جائے ان واقعات کے اصل اسباب و وجوہ کا پتہ لگایا جائے اور ملک کے دستور کے ماتحت موجودہ مظالم اور سوسائٹی میں مسلمانوں کی جو حیثیت ہے اُس کا اذعان و یقین پیدا کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ خود مسلمان ان حالات کی اصلاح اور بہتر بنانے میں کوئی رول ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس آخری سوال کا جواب نفی میں ہے تو پھر ظاہر ہے مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی خوش آیند توقع ہرگز قائم نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ جس شخص کے پاؤں میں خود چلنے اور اُٹھنے کی طاقت نہ ہو اُسے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ جو اپنے بل بوتہ پر زندگی گذارنے کا حوصلہ و ارمان نہ رکھتا ہو اُسے اس کا بڑے سے بڑا مخلص اور دوست بھی سہارا نہیں دے سکتا۔ یہی حال قوموں اور جماعتوں کا ہے۔ قومیں کسی سے دریوزہ گری کر کے یا مظلومیت و بےکسی کا بار بار اور شد و مد کے ساتھ اظہار کر کے نہیں بلکہ صرف اپنے عزم اور ہمت کے سہارے زندہ رہتی ہیں۔ اور اپنے نفس گرم و شرر بار سے دوسروں کو زندگی کی گرمی پہونچاتی ہیں۔

سب سے پہلی چیز جو دھیان میں رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حالات کوئی استثنائی شکل نہیں رکھتے۔ بلکہ نتیجہ ہیں عام حالات کا جو ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، اور جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ملک کا سماج ایک خام اور نا تربیت یافتہ، بلکہ بالفاظ صحیح تر غلط اور گمراہ سماج ہے۔ اُس کو نہ جمہوریت کا کوئی شعور ہے اور نہ جمہوری زندگی کے فرائض و واجبات کا کسی قسم کا کوئی احساس ہے اُس ایک خود غرض انسان کی طرح ہے جس کے پیش نظر مطلب برآری کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی۔ سماج کی اس عام خرابی اور اختلال مزاج کا ہی اثر ہے کہ چند مٹھی بھر سرمایہ داروں کے علاوہ کوئی ایک شخص، یا ایک طبقہ یا فرقہ خوش نہیں ہے اُن کا یہ عدم اطمینان کبھی زبان اور علاقہ کی بنیاد پر آپس کے اختلافات کی صورت میں، کبھی اقتصادی بے چینی اور معاشی بدحالی کی اساس پر ہڑتالوں اور مظاہروں کی شکل میں اور کبھی لوٹ مار اور قتل و غارتگری اور بے ایمانی و بددیانتی کے روپ میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں کا معاملہ صرف ہندو مسلمانوں یا اکثریت اور اقلیت کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سوال ہے پورے ملک اور پوری قوم کا۔ جمہوری نظام میں کوئی ایک طبقہ یا فرقہ دوسرے طبقوں یا فرقوں سے الگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوتا اور وہ سب ایک جسم کے مختلف اعضا کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مربوط اور وابستہ ہوتے ہیں کہ ایک طبقہ کی بے چینی صرف اُسی تک محدود نہیں رہتی بلکہ کل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ سب ملک کی ایک کشتی میں سوار ہوتے ہیں۔ یہ کشتی پار لگتی ہے تو سب پار لگ جاتے ہیں اور ڈوبتی ہے تو سب ڈوبتے ہیں۔

ایک جمہوری نظام میں اصل قوت وطاقت جو کچھ ہوتی ہے عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے کیونکہ وہ خود اپنی مرضی اور اپنے ووٹ سے اپنی حکومت منتخب کرتے ہیں اور حکومت اُسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک کہ وہ اپنے ووٹوں سے اسے ختم نہ کردیں اس بنا پر اگر عوام گمراہ ہیں تو اُن کی منتخب کی ہوئی حکومت سے کبھی نیکی اور صلاح کار کی توقع نہیں ہوسکتی۔ اگر کسی حکومت سے عوام کی وہ توقعات پوری نہ ہوں جو انھوں نے ووٹ دیتے وقت قائم کی تھیں تو اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت وقوت کا استعمال کرکے اس حکومت کو معزول کردیں اور اُس کی جگہ اُس پارٹی یا جماعت کی حکومت قائم کریں جو اُن کے حوصلوں کے مطابق اُن کی توقعات کی تکمیل کرسکے۔ بہرحال ایک جمہوری نظام کو اس کی صحیح اسپرٹ کے ساتھ کامیاب بنانے کے لئے سب سے مقدم اور ضروری یہ ہے کہ عوام کی ذہنی تربیت صحیح اور درست خطوط پر کی جائے، اُن میں حق وباطل اور نیک وبد کا واقعی شعور پیدا کیا جائے اور اُن میں فکری ہم آہنگی کے ساتھ عمل وکردار کی وہ استواری اور یکسانیت پیدا کی جائے جس کے بغیر جمہوریت کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا لہٰذا کسی ایک طبقہ کے لئے اپنے حقوق اور مطالبات منوالینے کا راستہ بجز اس کے کوئی دوسرا نہیں ہوتا کہ اُس کو عوام کی اکثریت کی تائید حاصل ہو۔

جمہوریت کی ان بنیادوں کو سمجھ لینے کے بعد مسلمانوں کو محسوس کرنا چاہیئے کہ ان کو جو دقتیں اور دشواریاں پیش آرہی ہیں اُس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اب تک جو کچھ کہا سنا ہے حکومت سے کہا سنا ہے اور حکومت سے یا جس پارٹی کی یہ حکومت ہے اُس کے ساتھ ربط وتعلق رکھنے کو ہی انھوں نے اپنے سب دکھوں کا علاج سمجھ رکھا ہے۔ عوام کے ساتھ ربط پیدا کرنے، اُن میں جمہوری زندگی کو اجاگر کرنے اور سماجی زندگی میں اُن کے ساتھ اشتراک کرکے اُن کو صحیح فکر کے راستہ پر گامزن کرنے کے لئے انھوں نے اب تک کچھ نہیں کیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ عزم ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی پارٹی اور اُس کی حکومت مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکی ہے تو چونکہ اُس کا یہ رویہ صرف کسی ایک طبقہ کے لئے نہیں بلکہ پورے ملک اور پوری قوم کے لئے مضر اور مہلک ہے اس بنا پر ایک مرتبہ ایک سوراخ سے ڈسے جانے کے بعد وہ دوبارہ اپنے آپ کو اُس سوراخ سے نہیں ڈسنے دیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام عوام کے تعاون اور اشتراک کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ کسی ملک کے نہ سب عوام اچھے ہوتے ہیں اور نہ سب بُرے بلکہ اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور ذہنی انقلاب پیدا کرنے کا طریقہ یہی ہوتا ہے کہ جو لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچھے، سمجھ دار اور ترقی پسند ہوتے ہیں اُن کو اپنایا جائے، اُن کے ساتھ اشتراک کر کے اُن کے محاذ کو مضبوط اور قوی بنایا جائے اور جو لوگ کہ "اچھے" نہیں ہیں ان کو کچھ اپنے محاذ کی طاقت و قوت سے اور کچھ تبلیغ و اشاعت اور اپنے کردار و عمل کے بہترین نمونوں کے ذریعہ اپنا ہم خیال بنایا جائے۔ یہی ایک وہ تدبیر ہے جس کے ذریعہ ملک حقیقی طور پر جمہوری زندگی کی نعمتوں سے متمتع ہو سکتا ہے، حزب مخالف ہر جمہوریت میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر جمہوریت اپنی اصل روح کے ساتھ قائم ہو تو حزب مخالف کے کسی ممبر کو بھی ظلم و تعدی اور جبر و ستم کی شکایت نہیں ہوتی۔ برطانیہ جو دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب جمہوریت رکھتا ہے وہاں کتنی پارٹیاں ہیں اور آئیڈیالوجی کے کتنے اختلافات ہیں مگر کسی پارٹی کے کسی شخص کو غیر آئینی ناانصافی یا استبداد کی شکایت نہیں ہے۔

برہان سیاسی پرچہ نہیں ہے اس لئے ہمیں اس سے ہرگز بحث نہیں ہے کہ آئندہ الیکشن میں مسلمان کانگریس کی مدد کریں یا کسی اور پارٹی کی۔ ان سطور کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان جمہوریت کے مسائل اور تقاضوں کو آزادانہ طریقوں پر سوچیں اور اپنی ہیچمیرزی اور بیکسی کا احساس دور کریں اور یہ یقین پیدا کریں کہ وہ مخصوص طریق فکر کے باعث دلیشر بلکہ وہ خالص اسلامی اور اس لئے بلند درجہ کا جمہوری، عوامی اور انسانی فکر ہوں اس ملک میں بڑی طاقت ہیں اور اس طاقت سے کام لیکر وہ اپنے لئے، ساری قوم اور ملک کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں اور یہ اُسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب کہ وہ پہلے خود اپنے اندر فکری انقلاب پیدا کریں، اپنے مسائل و معاملات کو ملک کے مسائل و معاملات سے الگ کر کے سوچنے کی پرانی عادت ترک کریں، ملک کے ساتھ کھلے دل اور صاف دماغ سے دلچسپی لیں۔ عوام سے ربط پیدا کریں، سماج پر اپنے وجود کی اہمیت اور افادیت ثابت کریں اور وطن کے سیاسی، اقتصادی، تہذیبی اور معاشرتی مسائل میں منفی نہیں بلکہ مثبت حصہ لیں۔ یعنی اُن کا اصل میدانِ عمل حکومت سے گفت و شنید اور اُس سے عرض معروض کرنا نہیں ہے بلکہ عوام میں کام کرنا اور ان میں صحیح فکر و شعور پیدا کرنا ہے۔

ہمارا موجودہ مزاج اور فکر کس حد تک جمہوری ہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہم اگر کوئی کالج، اسکول، یتیم خانہ یا شفاخانہ قائم بھی کرتے ہیں تو اس کے نام کا جز اسلامیہ یا مسلمان یا مسلم ضرور ہوتا ہے۔ حالانکہ رفاہِ عام کے کاموں میں فرقہ یا طبقہ کی کوئی تخصیص یا امتیاز نہ صرف یہ کہ بے معنی ہے بلکہ ایک غیر انسانی حرکت ہے۔ انگریزوں نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کے تحت ہندو اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جو الگ کر دیا تھا اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر فرقہ صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتا تھا۔ ہمارا موجودہ غیر جمہوری مزاج اسی عہد کی یادگار ہے۔ لیکن اس جمہوری دور میں اس کو بدلنا چاہئے اور پورے ملک کو اپنا ملک، سب انسانوں کو، مذہب، علاقہ اور زبان کے اختلافات کے باوجود اپنا بھائی یقین کرنا چاہئیے۔ بھائی سے دکھ بھی پہونچتا ہے، مگر بہرحال بھائی بھائی ہے۔ اس کے ساتھ وہ معاملہ نہیں ہوتا جو دشمنوں اور غیروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ تم اپنے بھائی کی مدد کرو وہ خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ یعنی ظالم ہے تو اسے ظلم سے روکو اور مظلوم ہے تو اس کی فریاد رسی کرو۔ غور کیجئے! یہ مبارک الفاظ کس عالمگیر اخوت اور اس کے لئے دلسوزی کے احساس کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ یہ احساس قطعاً ضد ہے اُس چڑچڑے پن اور تنگ مزاجی کا جو مسلمانوں میں عام طور پر پیدا ہو گیا ہے کہ اپنے اوپر کسی تنقید کو سن ہی نہیں سکتے۔ گویا تاریخ میں ان کا دامن گناہوں سے ہمیشہ پاک رہا ہے۔ اپنی ذات کے ساتھ یہ خوش گمانی جس کو آجکل کے بعض اخبارات اور مصنفین خوب ہوا دے رہے ہیں، مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے۔

اعاذنا اللہ من شرور انفسنا

© rasailojaraid.com